ڈاکٹر آئی کوت کیشمیر
استاد شعبہ اردو، انقرہ یونیورسٹی، انقرہ، ترکی

ترکی نثری ادب (۱۹۵۰۔۱۹۷۰) میں اقبال کی یادداشتیں

Dr.Aykut KISMIR
Assistant Professor, Ankara University, Faculty of Languages, History and Geography, Departmeno of Urdu, Ankara.

The Texts of Reminiscence About Allama Muhammad Iqbal in Turkey Between 1950-70s

As a result of wars and disasters in the 20th century, people tried to find answers to the question “Who we are? or Who we were?” This indicates the importance of memory studies. When we think of Iqbal, we see that his place in memory is inseparable with the desire for freedom not only in Pakistan but in India also. This leads the humanity in search of identity. Also when we observe the social environment and its temperament elements in the development of Iqbal's personality, we see that we cannot confine Iqbal to the Indian Sub-Continent only. Importance of Iqbal is also known in Turkey. Turkish writers and thinkers try to keep Iqbal's philosophy alive through their works. In this research, the most important Turkish thinkers and their views on Iqbal are discussed in the issues of publicizing Iqbal's philosophy in Turkey during the period of 1950-70s.

Key Words: *Muhammad Iqbal, Reminiscence, Indian Sub-Continent, Turkish Literature.*

ماضی کے ورثہ کی نسل در نسل منتقلی اصل میں رابطے اور شناخت کی تجسیم کے تناظر میں حافظہ ویاداشت کی ثقافت کی بنیاد رکھتی ہے۔ اس سلسلے میں اردو ادب میں برصغیر پاک وہند کے معاشرے میں آفات وجنگوں کے نتیجے میں پیدا ہونے والے ”ہم کون تھے؟ ہم کون ہیں“[۱] جیسے سوالوں پر بحث کا آغاز ہوا۔ اس سے مطالعہ حافظہ ویاداشت کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔

> ایک بین المضامین رجحان کے طور پر میموری مطالعات کا نہ صرف تاریخ اور ادب کی سائنس کے ساتھ گہرا تعلق ہے، بلکہ انسانیت، بشریات، نفسیات، سماجیات، آرٹ کی تاریخ، مذہبی سائنس، میڈیا سائنس اور تعلیمی سائنس جیسے مضامین سے بھی گہرا تعلق ہے۔[۲]

Erll اور Nünning جیس طرح ماہرین ادب کے مطابق ادب اجتماعی یاداشتوں اور حافظہ کو زندہ کرتا ہے [۳] اسی طرح ادب ثقافتی یاداشتوں کی وجہ کی تحقیق کرتا ہے اور اسے مشاہدے کے قابل بناتا ہے۔

اس وجہ سے ادب کو مشترکہ زندگی کے مرکز میں ایک اہم جگہ کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ اس تناظر میں یاداشت وحافظہ کی ثقافت میں اہم کردار ادا کرنے والا ادب مشترکہ حافظہ کے اہم ذریعے کی حیثیت سے ایک زمانے کے افراد کے تجربات اور مشاہدات کی روشنی میں نئی حکایات وروایات کو مرتب کرتا ہے۔

یاداشت وحافظہ کے نظریہ دان جان آسمان (Jan Assmann) کے مطابق ثقافتی حافظہ کے اہم ذریعہ کے طور پر پہچان رکھنے والے یاداشتی ادب کا سب سے اہم کردار اس کا کثیر الجہت اور معاشرتی رخ ہونا ہے۔ مثال کے طور پر، کسی ادبی کام / شاعری میں ماضی کی کہانیاں معاشرے کے ہر فرد میں متضاد و مخالف یادداشت کو جنم دے سکتی ہیں۔ اس مقام پر، ادب ان مخالف یادوں کو انفرادی حافظہ سے ثقافتی یادداشت تک لے جاتا ہے۔ دوسری طرف، ایرل کے مطابق، ادبی تعمیر و تدوین ایک طرح سے یادداشت کی پیداوار ہے، جو ثقافتوں کے تجربات کا علامتی اظہار ہے اور متبادل حقائق کا تصور پیش کرتی ہے۔ یہاں اہم بات یہ ہے کہ ادبی متن (ناول، نظمیں) انھیں کس طرح اور کس انداز میں بیان کرتے ہیں۔ اگر ادب کو ایک علامتی نظام کے طور پر دیکھا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ تخیلاتی متن میں بناوٹ و تشکیل بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ اس خصوصیت کی وجہ سے ادبی تحریریں یاد کی ثقافت کو جیتے جاگتے منظر کی شکل تک لے جاتی ہیں۔ افسانوی تحریروں کی منظر کشی کے ذریعے تزئین و آرائش کو قارئین نے ایک ثقافتی یاداشت کے موثر حصول کے ذریعہ کے طور پر اپنایا ہے۔ لہٰذا، شاعر اقبال، وقت اور جگہ کی حدود کو نظر انداز کرتے ہوئے، یادداشت کے محاسب اور ایک پیشہ ور لافانی شخصیت کی حیثیت سے اپنے ادبی کاموں کے ذریعے ثقافتی یاداشت کو تبدیل کرنے اور تشکیل دینے میں بہت معاون ثابت ہوتے ہیں۔ [۴]

جب ہم اقبال کے ادبی فن پاروں کو پرکھتے ہیں، تو ہم دیکھتے ہیں کہ ان کا حافظہ و مشاہدہ نہ صرف پاکستان بلکہ ہندوستان کی مسلم دنیا میں بھی آزادی کی خواہش کی عکاسی کرتا ہے۔ ایک بار پھر، جب ہم اقبال کی شخصیت کی نشوونما میں معاشرتی ماحول اور اس کے مزاج کے عناصر کا مشاہدہ کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ ہم اقبال کو صرف برصغیر پاک وہند تک محدود نہیں کرسکتے ہیں۔

> زیر یہ کاراڈینیز، (۱۹۵۳) قومی شاعر اقبال اور حریت فکری کے عنوان سے اپنے مضمون میں کہتے ہیں "اقبال صرف مشرق کا مفکر نہیں ہے، بلکہ اپنے ادبی اور علمی کارناموں کی وجہ سے پوری دنیا کا مفکر ہے، اور وہ ان لوگوں میں شامل ہے جو عالمی فکر پر فتح حاصل کرتے ہیں۔ [۵]

دوسرے لفظوں میں، اقبال ایک ایسا دانشور ہے جو مجموعی طور پر مشرق و مغرب سے ابھرا ہے۔ اقبال مولانا روم کو نہ صرف ترکی کے بڑے مفکرین بلکہ ایک مرشد کے طور پر اہم حیثیت دیتے ہیں۔ جو بات اقبال کو اہم بناتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ ہم عصری ادب اور فلسفے کے ساتھ ساتھ پرانے ادب و ثقافت سے بھی واقف ہیں، اور اسلامی حدود پر سمجھوتہ کیے بغیر زمانے کی ضروریات کے مطابق پرانے اور نئے فلسفے کی موثر تراکیب بنانے میں نہائت کامیاب ہیں۔ [۶]

زیر یہ کاراڈینیز، اقبال کی ان الفاظ میں مدح سرائی کرتے ہیں کہ اگر اقبال میں خصوصی قابلیت نہ ہوتی تو وہ فکری بلندی میں مدہوش کر دینے والے مولانا روم کے فلسفے کو نہیں پہنچ سکتا تھا اور اس کے فلسفے کی وساطت سے ابر رحمت کی طرح سرزمین آزادی پر رحمت باراں کا نزول نہ ہوتا۔ وہ مزید کہتے ہیں کہ (۷) اقبال کو کسی بھی معاشرے یا قوم تک محدود نہیں کرنا چاہیے اور اگر ہم مولانا کی فکر کو اپنانے والے ہر شخص کو اپنا دوست مانتے ہیں تو دنیا میں اقبال کے فلسفے کو ماننے والے ہر شخص کو بھی اپنے بھائی کے طور پر ماننا چاہیے۔ وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ اقبال اجتماعی یادداشت کی ترویج میں ایک اہم شاعر کی حیثیت رکھتا ہے۔

اسماعیل حبیپ سیواک، اپریل ۱۹۵۳ میں اقبال اور ہم کے عنوان سے لکھے گئے اپنے مضمون میں کہتے ہیں: پاکستان کے قومی شاعر، انسان دوست، نظریاتی، اور ہر لحاظ سے، "عظیم" اقبال کے بارے میں میں نے سب سے پہلے ۱۹۲۲ کے موسم بہار میں ہماری جنگ آزادی کے دوران مرحوم شاعر محمد عاکف کی زبانی سنا اور سیکھا، جو اس وقت انقرہ میں تاج الدین درگاہ میں رہتے تھے۔ جنگ بلقان کی تباہ کاریوں کے خلاف ہمارے قومی شاعر محمد عاکف ''نہ زمین میری صدا سنتی ہے، اے رب، نہ آسمان میری روح کی فریاد سمجھتا ہے، کہتے ہوئے اپنے اندرونی غم کو شدت سے بیان کرتے ہیں مگر اقبال اپنی نظم ''شکوہ'' میں جنگ بلقان کے سانحے پر مسلمانوں پر عدم عنایت کے بارے میں اللہ سے سخت شکایت کنندہ ہیں۔ (۸)

اسماعیل حبیپ سیوک انفرادی یاداشت میں محمد عاکف اور اقبال کی عکاسی کو یوں بیان کرتے ہیں: پہلی جنگ عظیم کے نتیجے میں آدھی دنیا کے ساتھ ہماری بربادی کے دوران اقبال کہتے ہیں کہ ترکوں کے سینے پر غم کا پہاڑ آن گرا ہے اور میں اپنے سینے پہ بھی اس کا بوجھ محسوس کرتا ہوں۔ جبکہ جنگ آزادی میں ہمارے قومی شاعر محمد عاکف

حق تمہیں وعدہ کے دن پھر پیدا کرے گا

کچھ کو کل، بلکہ کل سے بھی کچھ پہلے

کہتے ہوئے بڑے اعتماد سے آزادی کے سورج کے چمکنے کی پیش گوئی کرتے ہیں تو اقبال بھی ''طلوع اسلام'' نامی نظم میں ہماری آزادی کی فتح کو سارے عالم اسلام کی نجات کی بشارت کے طور پر سلام پیش کرتے ہوئے ترکوں کی حیرت انگیز جرات کے بارے میں دنیا کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ''اے لوگو، ایک بار پھر وفا، انصاف اور خوش قسمتی کا سبق سیکھو''۔ ان کی نظم ''طلوع اسلام'' میں سقاریہ اور دملوپنار کے ہیرو مصطفی کمال اتاترک کو نہ صرف ترکی بلکہ علامتی طور پر ساری مسلم اقوام کو غلامی کے چنگل سے نکالنے والے محافظ فاتح کمانڈر کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ (۹)

محمد اقبال ترکی اور ترک قوم کو دل سے چاہتے تھے اور ان کے ہر دکھ درد میں ان کے ساتھ برابر کے شریک سمجھتے تھے۔ جنگ طرابلس غرب ہو، جنگ بلقان ہو یا جنگ آزادی، ہر موڑ پر ترکوں سے محبت اور مدد ان کے پیش خیمہ رہی۔ انہوں نے ترکی کی مدد و معاونت میں اپنی شاعری کے ذریعے عوام میں فکری آگاہی میں اہم کردار ادا کیا۔ فطری طور پر ان کی یہ محبت و شفقت صرف یک طرفہ ہی نہیں تھی۔ ترکی میں عوام کی ایک بڑی تعداد ان کی شاعری و فلسفہ کو بہت پسند کرتی ہے

اور ان کی محبت کے جواب میں ان سے سچی محبت رکھتی ہے۔ ان کی محبت کا احترام کرنے والی پہلی شخصیت ہمارے قومی شاعر محمد عاکف ہیں۔ (۱۰)

اسماعیل حبیپ سیواک نے اپنے مرحوم دوست عمر رضا دوعرل کے بارے میں بھی تذکرہ کیا ہے۔، سیواک کہتے ہیں کہ عمر رضا دوعرل نے ترک-پاکستان کلچرل ایسوسی ایشن کے صدر کی حیثیت سے انقرہ میں اپریل ۱۹۵۰ کی تقریب میں اقبال کے بارے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ "پاکستان کو اقبالستان بھی کہا جاسکتا ہے۔" (۱۱)

سیوک بیان کرتے ہیں کہ بعد میں، عمر رضا دوعرل خصوصی مہمان کی حیثیت سے ۱۹۵۱ کے آغاز میں عالمی مسلم کانفرنس میں گئے اور انہوں نے قونیا میں مولانا کے مزار سے ایک مٹھی بھر خاک لی اور لاہور میں اقبال کے مقبرے پر پہنچائی۔ انہوں نے کہا کہ کونیا سات صدی کے عرصے میں مٹی کے ساتھ لاہور پہنچ گیا ہے۔

اس دن یقینا اقبال کے جسم سے رخصت ہوئی تیرہ سالہ روح نے ۶۷۸ سالہ مولانا کے روح کو بڑے جوش و خروش سے جھک کر سلام کیا ہو گا۔ ایک سال بعد، ۱۳ مارچ ۱۹۵۲ کو، جب عمر رضا کا انتقال ہو گیا تو انہوں نے اللہ کی رحمت حاصل کی ہو گی اور، بلاشبہ مولانا اور اقبال کی روحوں کی مشترکہ طور پر کی جانے والی تعریف پو ممنون ہو گی۔

> اپنی زندگی میں پاکستان کے ساتھ ترکی اور اقبال کے ساتھ ہمیں جوڑنے میں موثر کردار کے حامل عمر رضا کی روح بھی غالبا ایک نمائندے کے طور پر ہمیشگی کی رحمت میں چلی گئی۔ (۱۲)

ترکیا عطا اقبال کو مسلم ہند کی تاریخ کا سب سے بڑا شاعر سمجھتے ہیں جو بیسویں صدی میں پروان چڑھا اور شاعری میں جس کا واحد حریف غالب تھا۔ ان کے مطابق، اقبال صرف اجتماعی یاداشتوں کا شاعر نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ وہ ایک حقیقت پسند، اصلاح پسند، انسانی بدحالی سے مزاحم ایک مضبوط مفکر و فلسفی، انسان دوست، بلیک کی طرح اللہ کی محبت کا پیاسا صوفی، ملٹن سے بھی زیادہ علم کا شیدائی عالم، ایک سیاستدان اور ایک مجاہد ہے۔ اس کے تمام پہلوؤں کو اجاگر کرنے کے لئے ایک نئی اوڈیسہ لکھنی پڑے گی۔ ترکایا عطا کہتے ہیں کہ ایک شاعر کی حیثیت سے اقبال جو کچھ کہتا ہے وہ صوفیانہ حالت رویا کے مشاہدات ہوتے ہیں، اس لئے وہ اسے ایک فلسفی اور مفکر کے طور پر مشرق و مغرب کے درمیان واسطے کی بنیاد سمجھتے ہیں۔ (۱۳)

دنیا کی تخلیق کے بعد سے آج تک یہ معلوم ہوتا ہے کہ کائنات کا معاملہ انسانی دماغ میں ایک پر اسرار حیثیت رکھتا ہے۔ مفکر و فلسفی، جو یہ مانتے ہیں کہ کائنات کسی ایک وجود نے تخلیق کیا ہے، اس بات سے اتفاق کرتے ہیں کہ یہ ایک وحدت کی شکل میں ہے۔ یہاں تک کہ مادہ پرست فلسفی بھی اس نظریہ کی تصدیق کرتے ہیں۔ اقبال بھی کائنات کی وحدت کے بارے میں نظریہ سے اتفاق کرتے ہیں۔

ترکایا عطا کے مطابق یورپی ادب پر گہری نظر رکھنے والے اقبال کی شاعری میں شیلے، فلسفے میں نیٹشے اور برگسن کی جھلک بھی ملتی ہے۔ چونکہ اقبال نے مسلمان ہونے کے شعور کے ساتھ سوچا اور محسوس کیا، اس لئے انہوں نے ایک یوٹوپک ریاست کا تصور کیا جہاں تمام مسلمان نسل اور ملک سے قطع نظر متحد ہو جائیں گے۔ یہاں ہمارے ذہن میں اقوام متحدہ کے

مفہوم کو پہلی دفعہ بیان کرنے والے شاعر یونس ایمرے کا ایک مصرعہ گردش کرتا ہے کہ "بہتر اقوام کو ایک آنکھ سے دیکھنا۔" (۱۴)

اقبال کے مطابق، لوگ محدود مواقع اور کمزوریوں کے باعث ان کے لئے تیار کردہ عظیم تقدیر سے بے خبر ہیں۔ شاعر ہمیں اپنی تقدیر کا احساس دلاتے ہوئے ارتقاء / پختگی کے ناقابل تصور وسیع و عریض طریقوں کو دکھاتا ہے۔ لیکن یہ صرف سخت اور مستقل محنت کے ذریعہ حاصل ہوسکتے ہیں۔ نفس کا ارتقاء بے سمت نہیں ہوسکتا۔ سائنسی ترقی اور صنعت کاری کے اس دور میں، زندگی لوگوں پر مستقل تناؤ اور دباؤ ڈالتی رہتی ہے۔ آجکل ایک تنگ قومی اور علاقائی نقطہ نظر ساری دنیا میں سرایت کرچکا ہے۔ ایسی دنیا میں، اقبال کی نظمیں اور فلسفہ ہمیں ایک بالکل مختلف دائرے کی طرف لے جاتے ہیں جو انسانیت اور ایمان سے بھرا ہوا ہے۔

حوالہ جات

1-Grütter, Heinrich Theodor, Warum fasziniert die Vergangenheit? Perspektiven einer neuen Geschichtskultur. In Klaus Füssmann, Heinrich Theodor Grütter, Jörn Rüsen (Hrg.). Historische Faszination. Geschichtskultur heute, Köln, Böhlau Verlag, 1994. p. 52

2-Kismir, Gonca. Almanya'da II.Dünya Savası Sonrası Yasanan Bellek Patlamasına Tarihi Bakıs, Selcuk Universitesi Edebiyat Fakültesi Dergisi (SEFAD) 2019; Issue: 41 (49-62) p. 50

3-Erll, Astrid/Ansgar, Nünning, Literatur und Erinnerungskultur. In Günter Osterle, (Hrg.). Erinnerung, Gedächtnis, Wissen. Studien zur kulturwissenschaftlichen Gedächtnis-forschung, Göttingen, Königshausen & Neumann, 2005. p. 188

4-Assmann, Aleida, Erinnerungsräume. Formen und Wandlungen des kulturellen Gedächtnisses, München, Verlag C.H. Beck, 1999. p. 45

5-Karadeniz, Zeria. Milli Sair Ikbal ve Hurriyet Fikri. Pakistan Postası 15 Nisan 1953. Ankara. p.10

6- Soydan, Celal. Ask ve Tutku. Akçag, 1999, Ankara, p.32

7- Ibid. Karadeniz, Zeria. 1953. p.10.

8- Sevuk, Ismail Habip. Ikbal ve Biz. Pakistan Postası 15 Nisan 1953. Ankara. p. 3.

9-Ibid. Sevuk, Ismail Habip. 1953. p.3.

10- Toker, Halil. Muhammed Ikbal Sikayet ve Cevabı. Demavend, 2015, İstanbul, p. 30-31

11- Ibid. Sevuk, Ismail Habip. 1953. p.3.

12- Ibid. Sevuk, Ismail Habip. 1953. p.3.
13-Ataov, Turkkaya. Ikbal’in “Nefs” ve “Hakiki ideal” Fikri. Pakistan Postası 15 Nisan 1953. Ankara. p. 11-12.
14- Ibid. Ataov, Turkkaya. 1953. p. 11-12.